

امام بخاریؓ کے دلیں میں!

طاہر انوار پاشا شروع ہی سے ایک مختلف شخص محسوس ہوتا تھا۔ ایسا شریف النفس انسان جو پولیس کی وردی پہنچ کے باوجود روایتی کرخت پولیس افسرنہ بن سکا۔ پچیس برس پہلے بہاولپور میں ملاقات ہوئی۔ اس وقت پاشا ڈی آئی جی بہاولپور تھے اور خاکساراے ڈی سی جی تھا یعنی ڈپٹی کمشنر کا سٹاف افسر۔ یہ ضلعی انتظامیہ میں کلیدی ترین انتظامی پوزیشن تھیں۔ ویسے ایک چیز پر افسوس ہے کہ ڈپٹی کمشنر کے تقریباً غیر سیاسی عہدہ کو جس منصوبہ بندی سے بر باد کیا گیا، کم از کم اس غنزوں کی حاليہ ماضی میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ کیا سیاستدان، اور کیا پرویز مشرف کے پانو فلسفی، سب بنیادی طور پر اس عہدہ سے گھبرا تے تھے۔ بات اختیارات کی نہیں تھی۔ بلکہ ضلع میں ایک ایسے غیر متنازعہ انتظامی ایمپائر کی تھی جو ہر محکمہ کی کارکردگی پر موثر گرفت رکھتا تھا۔ جزل (ر) نقوی نے جس طرح ملک کے انتظامی ڈھانچے کو اصلاحات کے نام پر بر باد کیا، اسکی وجہ سے بد انتظامی کی ہزاروں ادنیٰ مثالیں دیکھنے میں آئیں اور آج بھی آرہی ہیں۔ موجودہ سیاسی قوتوں نے دوبارہ پورا زور لگایا مگر ڈپٹی کمشنر کے عہدہ کو اس درجہ موثر نہ کر پائیں کہ صحیح طور پر کام کر پائے۔ خیر انتظامی عہدے جس درجہ سیاسی گروہ بندی کا شکار ہو چکے ہیں، اسکی بدولت حتیٰ طور پر موجودہ صورتحال میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ بہاولپور میں جاویدا قبائل اعوان ڈپٹی کمشنر تھے۔ حد درجہ ایماندار اور نیک انسان۔

طاہر پاشا سے بہاولپور میں جتنی بار بھی ملاقات ہوئی، ایک احساس ضرور ہوا کہ انسان دوست افسر ہیں۔ ریٹائرمنٹ کے فوراً بعد پاشا صاحب زرعی ترقیاتی پیک میں چلے گئے۔ صوبائی حکومت سے ڈھنی اختلاف پر فدوی کو بھی صوبہ بدری کا سامنا کرنا پڑا اور میں بھی زرعی بینک پہنچ گیا۔ وہاں بھی پاشا صاحب سے خلوص اور احترام کا تعلق رہا۔ تمہید لکھنے کا مقصد صرف ایک ہے۔ پچیس سال سے میں انہیں لکھاری کے طور پر بالکل نہیں جانتا تھا۔ تقریباً ڈیڑھ ماہ پہلے فون آیا کہ ایک سفر نامہ تحریر کیا ہے۔ "ازبکستان" کے نام سے، کہاں بھجواؤ۔ میرے لیے یہ بہت زیادہ حیرت کا مقام تھا کہ ایک پولیس افسر اور لکھاری۔ مشکل سی بات لگی۔ ناقابل اعتبار بھی کہا جا سکتا ہے۔ خیر دو دن میں کتاب میز پر تھی۔ پڑھے بغیر ایک طرف رکھ دی اور دفتری کام میں مصروف ہو گیا۔ نہ پڑھنے کی وجہ ایک اور بھی ہے۔ میری کم علمی کو جانے بغیر ہر ہفتے مختلف احباب کتابیں بھجواتے رہتے ہیں۔ تقریباً چھ سات دن میں چار پانچ کتابیں تو کہیں نہیں گئیں۔ سرسری طور پر دیکھ کر پتہ چل جاتا ہے کہ کوئی کتاب کو پڑھا جائے اور کس کو کونے میں رکھ دیا جائے۔ ویسے اس میں کبھی کبھی غلطی بھی ہو جاتی ہے۔ پر اب تو گلتا ہے کہ جس کنٹے کو صحیح سمجھتا تھا، وہ غلط نکلا اور مکمل غلط والا صحیح۔ جیسے اس ملک میں میرٹ پر کام کرنا کتابوں کی حد تک درست ہے مگر عملی طور پر بالکل غائب بلکہ تکلیف دہ حد تک غائب۔ کوتاہی میں قریبی دوست اور نیچے میٹ آصف، جو حاليہ کے پی میں ایڈیشنل آئی جی تھے۔ انکی نج پر کھی ہوئی کتاب سے انصاف نہ کر سکا۔ شاندار کتاب۔ دیر ہو گئی مگر لکھوں گا ضرور۔ طاہر پاشا کی کتاب بھی میز کے کونے پر چلی گئی اور متعدد کتابوں میں گم ہو گئی۔ دو ہفتے پہلے فون آیا کہ کتاب کی تقریب رونمائی ہے، لہذا ضرور آئیے۔ اصرار سے بتایا کہ عطا، الحق، قائمی مہمان خصوصی ہیں۔ اسکے علاوہ ظفر محمود صاحب اور گل نو خیز اختر بھی آرہے

ہیں۔ عرض کرتا چلوں کہ ظفر محمود بھی کمال انسان ہے۔ مشکل افسر لیکن آسان اور سادہ انسان۔ بہت اچھا لکھنے والا شخص۔ انکی کتابیں بغیر کہے ہوئے پڑھیں۔ آج کل خوبصورت کالم لکھ رہے ہیں۔ پاشا صاحب کی برپا کی گئی تقریب میں تو شامل نہ ہو پایا مگر جب فیس بک پر تصاویر دیکھیں تو شرکت نہ کرنے کے نقصان کا اندازہ ہوا۔ طارق محمود صاحب بھی آئے تھے۔ گمان ہے کہ پاشا صاحب کا نقش میٹ بھی ہے۔ کمال کا افسانہ نگار۔ اب انگریزی اخبار میں کالم لکھتے ہیں۔ ملتان میں ڈی اسی تھے اور انکے ساتھ میری پہلی پوسٹنگ ہوئی تھی۔ ٹریننگ کیلئے۔ میرا خیال ہے کہ طارق محمود جیسے انسان اور افسر کے ساتھ ٹریننگ کرنا ویسے ہی باعثِ افتخار ہے۔

خیر ایک شام کو اپنی سٹڈی میں گیا۔ "ازبکستان" کتاب تلاش کی۔ پڑھنا شروع کیا تو حیران رہ گیا۔ پاشا صاحب نے کمال سادگی سے ازبکستان کی تمام جزئیات تحریر میں سموڈالیں تھیں۔ یہ بھی پریشانی ہوئی کہ پہلے کیوں نہ پڑھ سکا۔ ایک نشست میں پوری کتاب پڑھ ڈالی۔ نشست کی بات اسلیے اہم ہے کہ ہر کتاب اور لکھاری کی ایک ادبی گرفت ہوتی ہے۔ کئی بار دو چار صفحے پڑھنے کے بعد ہن بھٹک سا جاتا ہے اور مختلف سمت چلا جاتا ہے۔ پاشا صاحب کی تحریر میں حد درجہ آسان زبان استعمال کی گئی ہے اور یہ تحریر کی اضافی خوبصورتی ہے۔ کئی بار سوال ہوتا ہے کہ تحریر کون سی بہتر ہے اور کون سی بہتر ترین۔ بہتر اور بہترین کے الفاظ اسلیے استعمال کیے کہ کوئی بھی تحریر ادنی انہیں ہوتی۔ ہر ایک کا اپنا حسن ہے۔ بلکہ ہر مصنف کی اپنی خوبیو ہوتی ہے۔ طاہر صاحب نے لاہور سے جو سفر شروع کیا، وہ تائشند، بخارا اور شرق ندی سے ہوتا ہوا، واپس لاہور تک قاری کو بھی ساتھ ساتھ رکھتا ہے۔ لگتا ہے کہ آپ خود بھی ان شہروں کی گلیوں میں چل رہے ہیں۔ بکھر رہے ہیں اور شائد سمت بھی رہے ہیں۔ حضرت امام بخاری کے مزار اور انکی زندگی کی جھلک بہت خوبصورت ہے۔ امام بخاری کے متعلق بنیادی معلومات تحریر ہیں۔ چند حقائق خیرہ کن ہیں۔ "امام نے صرف چھ برس کی عمر میں قران پاک حفظ کر لیا تھا۔ گیارہ برس کی عمر میں ایک لاکھ سے زیادہ احادیث بمعہ اسناد زبانی یاد تھیں۔ ایک بار امام کے استاد، امام داعلیؑ محدث بخارانے پڑھاتے ہوئے ایک حدیث بیان کی۔ بخاری نے امام داعلیؑ کو ٹوکار کہ راویان میں ایک نام غلط بتایا گیا ہے۔ امام داعلیؑ حدیث کے کمال استاد تھے۔ ششد رہ گئے کہ ایک بچے نے غلطی نکال لی۔ رات بھروسہ پائے۔ اُٹھے اور بچے کی بتائی ہوئی غلطی کے حساب سے کتابیں سکنگھانی شروع کر دیں۔ امام بخاری نے جو غلطی بتائی تھی، وہ درست نکلی۔" ایک خوبصورت بات۔ امام بخاری کو خرنگ میں دفن کیا گیا۔ مد فین کے بعد قبر کی مٹی سے خوبیو ہوٹ پڑی۔ لوگوں نے مٹی کو تبرک کے طور پر لیجانا شروع کر دیا۔ مجبوری میں تعویز اور قبر کے اردو گرد حفاظت کیلئے جنگلا لگانا پڑا۔

کتاب میں ایک خصوصی بات یہ ہے کہ تمام حقائق کو عرق ریزی سے تدوین و تحریر کیا گیا ہے۔ جدید دور کے معاملات سے لیکر صدیوں پرانی جزئیات، کمال یادداشت کے سہارے درج ہیں۔ جدید اور قدیم کا یہ امتحان بھی دلا آؤیز ہے۔ "اردو زبان کے حوالے سے ایک خوبصورت بات لکھی ہیں کہ ازبک اور اردو زبان میں چار ہزار الفاظ ایک جیسے ہیں۔ ازبکستان کی جدید یونیورسٹیوں میں اردو کے دو ڈیپارٹمنٹ موجود ہیں۔ اس میں مقامی لوگ بھی اردو پڑھتے ہیں اور کئی غیر ملکی بھی۔ پاکستان اور ازبکستان میں نزدیکی تجارتی تعلقات ہیں اور وفاد کا تبادلہ عام ہے۔" ویسے طاہر پاشا صاحب نے سفر نامہ لکھنے کی کمال جرات کی ہے۔ اس لیے کہ مسٹر حسین تارڑ کے بعد انکے

معیار کا سفر نامہ لکھنا کافی مشکل ہے۔ ایک اور مسئلہ بھی ہے کہ سفر نامے اس درجہ لکھے گئے ہیں کہ کئی بار ہمارے قد آور مزاح نگاروں نے سفر نامے لکھنے پر پابندی عائد کرنے کی بات کی تھی۔ مگر پاشا صاحب نے ثابت کیا ہے کہ اچھے سفر نامے کی گنجائش ہمیشہ موجود رہتی ہے۔ ازبکستان میں ڈچپسی کی ایک اور وجہ بھی ہے۔ حسن ابدال اور کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کے ہم جماعت، ڈاکٹر عرفان شامی سفیر کے طور پر کام کر رہے ہیں۔ جس طرح وہ ملک حیرت انگیز ہے۔ بالکل اسی طرح عرفان شامی بھی حیرت ذہ کر دیتا ہے۔ بے حد متحرک سفارت کا رہا۔ اس درجہ مختی ہے کہ جس ملک میں بھی سفارت کاری کے نازک کام پر متعین ہوتا ہے، سرکاری مکموں میں اوپر سے نیچے تک، ہر جگہ، تمام عوامیں سے ذاتی تعلق بنایتا ہے۔ ازبکستان میں بھی شامی نے یہی کام کیا ہے۔ ٹیلیفون پر جب بھی بات ہوئی، بتاتا رہتا ہے کہ پاکستانی تاجر و اداروں میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی پوری کوشش کر رہا ہے۔ عرفان، اس سے پہلے یمن میں پاکستان کا سفیر تھا۔ وہاں پاکستان سے نسلک لوگوں سے کئی تعلیمی ادارے کھلوائے۔ بلکہ ایک شخص نے تو یمن اور اس سے ملحقہ ممالک میں چھ سکول کھول دیے۔ اس میں سٹاف کافی حد تک پاکستانی تھا۔ اس سے نہ صرف ہمارے ملک کے اساتذہ کیلئے روزگار پیدا ہوا بلکہ ان سکولوں کی بدولت پاکستان کی حد درجہ نیک نامی بھی ہوئی۔ طاہر پاشا صاحب نے اس کتاب میں عرفان شامی کا ذکر بھی کیا ہے۔ جب پاشا صاحب ازبکستان گئے تو عرفان بطور سفیر ازبکستان پہنچا، ہی تھا۔ بہر حال سمجھتا ہوں کہ عرفان کی ازبکستان موجودگی سے پاکستان کو بہت فائدہ ہوگا۔ دعا بھی ہے کہ ہمارے ملک کی نیک نامی ہو۔ بہر حال میرا خیال ہے کہ اب آپ کو اگر ازبکستان نہ بھی جانا ہو، تو صرف یہ کتاب پڑھ لیجے۔ بیٹھے بیٹھے امام بخاریؓ کے دلیں کا پورا سفر کر لینگے۔ دراصل یہی اس سفر نامہ کی خوبصورتی اور کمال ہے!

راوٰ منظر حیات